اقبال اور تحریکِ آزادی

ڈاکٹر رابعہ سرفراز

Dr. Rabia Sarfraz

Associate Professor, Department of Urdu,

Govt. College University, Faisalabad.

Abstract:

Iqbal has presented the concept of independent state for the muslims of subcontinent not only in his poetry but also in speeches,lectures,letters and articles where they can freely live according to the principles and instructions of Islam.He emphasizes on courage,hard work and commitment to achieve the goal. His concepts of " Khudi " and "Ishq" are the key steps towards the independence.He teaches to create our own world with self confidence and after the realisation of our hidden abilities.This article concludes that Iqbal wants to see the strength of faith, belief and confidence in the Muslims which is the base to build up the nation.

مجھے ہے حکمِ اذاں لا الٰہ الا اللہ

اقبال کی شاعری اور نثر میں تحریکِ آزادی اور قیام پاکستان کی مکمل تاریخ زندہ ہے۔ جس میں برصغیر کے مسلمانوں کے لیے الگ وطن کا خواب اور پھر اس خواب کے حصول کے لیے جدوجہد کی داستان اپنی پوری آب وتاب کے ساتھ نظر آتی ہے۔ برصغیر کی تاریخ میں خطبۂ الٰہ آباد کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ علامہ اقبال نے اپنے اس خطبے میں اس حقیقت کی وضاحت کی ہے کہ مسلمان قوم ایک الگ اور جداگانہ تشخص رکھتی ہے۔ وہ اہلِ مغرب کے اس نظریے سے ہرگز متفق نہیں ہیں کہ مذہب انسان کا ذاتی اور انفرادی معاملہ ہے بلکہ اس کا مؤقف تھا کہ اگر ہندوستان کے مسلمانوں کو ان کی روایات اور ثقافت کے مطابق ہندوستان میں مکمل اور آزادانہ ترقی کا حق حاصل ہو جائے تو وہ ہندوستان کی آزادی کے لیے کسی قربانی سے دریغ نہیں کرے گی نیز یہ کہ بین الاقوامیت کے بڑے علمبرداروں کو اس حقیقت کا اعتراف کرنا ہوگا کہ قوموں کی خودمختاری کے بغیر بین الاقوامی ریاست کا قیام ممکن نہیں ہے۔ اسی خطبے

میں اقبال نے مطالبہ کیا کہ پنجاب، شمال مغربی سرحدی صوبہ، سندھ اور بلوچستان کو ملا کر ایک ریاست بنا دیا جائے۔ ان کا کہنا تھا کہ خواہ یہ ریاست سلطنتِ برطانیہ کے اندر رہ کر خود مختار حکومت حاصل کرے یا اس کے باہر۔۔۔۔آزادی ہندوستان کے مسلمانوں کا مقدر ہے۔

خطبۂ الہٰ آباد میں واضح طور پر کہا گیا ہے کہ ہندوستان کے مسلمان ایسی کسی دستوری تبدیلی پر رضامند نہیں ہوں گے جس سے پنجاب اور بنگال میں مسلمانوں کے اکثریتی حقوق پر اثر پڑے یا مرکزی اسمبلی میں انھیں ۳۳ فیصد نمائندگی کی ضمانت نہ ملے۔ یہ بھی کہا گیا کہ ہندوستان کے مسلمان کسی ایسی تبدیلی پر متفق نہیں ہوں گے جس کے تحت سندھ کو علیحدہ صوبے کا درجہ نہ دیا جائے۔ اقبال نے فرمایا:

> ''موجودہ بحران سے نبٹنے کے لیے ہماری ملت کو مستقبل قریب میں
> ایک آزادانہ راہِ عمل اختیار کرنی پڑے گی اور آزادانہ سیاسی راہِ عمل
> ایسے نازک وقت میں صرف ان لوگوں کے لیے ہی ممکن ہے جو عزم
> کے مالک ہوں اور جن کی قوتِ ارادی ایک مرکز پر مرکوز ہو۔'' (۱)

اگرچہ اقبال کی ابتدائی شاعری میں متحدہ قومیت اور متحدہ ہندوستان سے محبت کا رنگ نمایاں نظر آتا ہے:

اے ہمالہ! اے فصیلِ کشورِ ہندوستاں!
چومتا ہے تیری پیشانی کو جھک کر آسماں
تجھ میں کچھ پیدا نہیں دیرینہ روزی کے نشاں
تو جواں ہے گردشِ شام و سحر کے درمیاں (۲)

لیکن اقوامِ ہند کی باہمی چپقلش اور انتشار نے انھیں غمزدہ کر دیا تھا۔ ان کی خواہش تھی کہ ہندوستان کے رہنے والے محبت، اخوت، اشتراک اور تعاون کی زندگی بسر کریں جبکہ صورتِ حال اس کے برعکس تھی۔ اقبال کی نظم ''صدائے درد'' اس صورتِ حال کی بہترین اور عمدہ عکاس ہے:

جل رہا ہوں کل نہیں پڑتی کسی پہلو مجھے
ہاں ڈبو دے اے محیطِ آبِ گنگا تُو مجھے
سرزمیں اپنی قیامت کی نفاق انگیز ہے
وصل کیسا ، یاں تو اک قربِ فراق انگیز ہے
بدلے یک رنگی کے یہ نا آشنائی ہے غضب
ایک ہی خرمن کے دانوں میں جدائی ہے غضب
جس کے پھولوں میں اخوت کی ہوا آئی نہیں
اُس چمن میں کوئی لطفِ نغمہ پیرائی نہیں

لذتِ قربِ حقیقی پر مٹا جاتا ہوں مَیں
اختلاطِ موجہ و ساحل سے گھبراتا ہوں مَیں(۳)

اقبال نے اپنی شاعری کے ذریعے ایسے تصور پر کاری ضرب لگائی جو امتِ مسلمہ کے لیے خطرے کا باعث بن سکتا تھا چنانچہ ''سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا'' کہنے والے شاعر کی تان ایک نئے ترانے پر ٹوٹتی نظر آتی ہے:

توحید کی امانت سینوں میں ہے ہمارے
آساں نہیں مٹانا نام و نشاں ہمارا
دنیا کے بت کدوں میں پہلا وہ گھر خدا کا
ہم اس کے پاسباں ہیں وہ پاسباں ہمارا
تیغوں کے سائے میں ہم پل کر جواں ہوئے ہیں
خنجر ہلال کا ہے قومی نشاں ہمارا
مغرب کی وادیوں میں گونجی اذاں ہماری
تھمتا نہ تھا کسی سے سیلِ رواں ہمارا
باطل سے دبنے والے اے آسماں نہیں ہم
سو بار کر چکا ہے تو امتحاں ہمارا(۴)

بقول فرمان فتح پوری:

''اقبال کے فکروفن کا اصل محرک ہی وہ سیاسی ماحول ہے جو طاقت ور و کم زور، غلام اور آزاد اور ترقی یافتہ و پس ماندہ کے درمیان آویزش و کشمکش کا سبب بن رہا تھا اور جس میں ہر باشعور آدمی کو صاف نظر آ رہا تھا کہ یہ خوفناک صورتِ حال انسانی معاشرے کے لیے تباہ کن ثابت ہوگی۔''(۵)

اقبال نے اپنی خودی کی پہچان کے ساتھ ساتھ حصولِ مقصد کے لیے بے تابانہ جدوجہد کو مسلمانوں کی کامیابی کا زینہ قرار دیا ہے۔ وہ اپنی دنیا آپ پیدا کرنے کی تلقین کرتے ہیں اور قوم کے افراد کو زندگی کی پوشیدہ صلاحیتوں کو منظرِ عام پر لانے کا حوصلہ اور سلیقہ بھی سکھاتے ہیں:

بندگی میں گھٹ کے رہ جاتی ہے اِک جوئے کم آب
اور آزادی میں بحرِ بے کراں ہے زندگی(۶)

اقبال نے مسلمانوں کو انفرادی اور اجتماعی خودی کا احساس دلا کر ایک نئے مسلم معاشرے کی بنیاد رکھی۔ وہ مسلمان کو طاقت ور اور غالب دیکھنا چاہتے تھے نہ کہ کم زور، مظلوم اور مغلوب۔ وہ مسلم

معاشرے کی تشکیل پر اس لیے پرزور اصرار فرماتے تھے کیونکہ ان کی رائے میں مسلمانوں کی تخلیقی صلاحیتوں کا اظہار ایک مکمل آزادانہ معاشرے کے بغیر ممکن نہیں تھا۔انھوں نے ریاست کو اسلام کا اہم علاقائی تشخص قرار دیتے ہوئے مسلمانانِ برصغیر کے لیے آزاد، طاقت ور اور مستحکم ریاست کی تجویز پیش کی۔دراصل وہ ایک ایسی جدید اسلامی ریاست کے خواہاں تھے جس کی بنیاد توحید پر ہو اور جس میں انسانیت اور مساوات کو اہم حیثیت حاصل ہو لہٰذا حریت یا آزادی کو اُن کے افکار میں نہایت اہمیت حاصل ہے۔ڈاکٹر جاوید اقبال رقم طراز ہیں:

''نئے مسلم معاشرے پر اقبال کا اصرار اس لیے تھا کہ اس میں تخلیقی صلاحیت کو از سرِ نو اجاگر کیا جائے۔''(۷)

اقبال دلیلِ صبحِ روشن کو ستاروں کی تنک تابی قرار دیتے ہوئے افق سے آفتاب کے اُبھرنے اور دورِ گراں خوابی کے رخصت ہونے کی نوید دیتے ہیں۔ان کا خیال ہے کہ طوفانِ مغرب نے مسلماں کو مسلماں کر دیا ہے اور مومن کو درگاہِ حق سے شکوہِ ترکمانی، ذہنِ ہندی اور نُطقِ اعرابی عطا ہونے والا ہے۔کتابِ ملتِ بیضا کی شیرازہ بندی ہو رہی ہے اور خلیل اللہ کے دریا میں گُہر پیدا ہونے کو ہیں۔وہ مسلماں کو خدائے لم یزل کا دستِ قدرت اور زباں قرار دیتے ہیں جس کی نسبت براہیمی ہے اور جو زمانے میں خدا کا آخری پیغام اور اقوامِ سرزمینِ ایشیا کا پاسباں ہے:

جب اس انگارۂ خاکی میں ہوتا ہے یقیں پیدا
تو کر لیتا ہے یہ بال و پرِ روح الامیں پیدا(۸)

اقبال یقیں کو افراد کا سرمایۂ تعمیرِ ملت اور ایسی قوت تصور کرتے ہیں جو تقدیرِ ملت کی صورت گری کرتی ہے۔مسلمان رازِ کُن فکاں، خودی کا راز داں اور خدا کا ترجماں ہے جس کے علم و محبت کی کوئی انتہا نہیں اور جس سے بڑھ کر سازِ فطرت میں کوئی نوا نہیں ہے۔انھوں نے اسے مقصد سے محبت اور اس کے حصول کی جدوجہد کو عشق سے تعبیر کیا:

عشق سے پیدا نوائے زندگی میں زیر و بم
عشق سے مٹی کی تصویروں میں سوزِ دم بہ دم(۹)

جب عشق سکھاتا ہے آدابِ خود آگاہی
کھُلتے ہیں غلاموں پر اَسرارِ شہنشاہی
عطّار ہو، رومی ہو، رازی ہو، غزالی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہِ سَحَرگاہی
آئینِ جوانمرداں حق گوئی و بے باکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں رُوباہی(۱۰)

اقبال کی بہترین شاعری میں سیاسی مسائل' ان سے پیدا ہونے والا انتشار اور ان کے حل کی تجاویز نہایت سنجیدگی سے پیش کی گئی ہیں۔ان کے ضابطۂ حیات میں زندگی' سیاست اور مذہب کو الگ خانوں میں تقسیم کرنا ممکن نہیں۔ڈاکٹر یوسف حسین خان کی رائے میں:

''اقبال کے نزدیک مملکت کی اطاعت غلامی نہیں بلکہ خود انسانی نفس کے اعلیٰ ترین رجحانوں کی اطاعت ہے۔اس طرح آدمی آدمی کا نہیں بلکہ مجرّد اصول اور الٰہی قوانین کا تابعدار ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے اس کی انسانیت اور شرافت کو بٹا نہیں لگتا۔حکمران کی عزت واحترام وہ اس وقت کرتا ہے کہ وہ فطری حقوق اور الٰہی قوانین کا پاسباں ہے۔اس لیے نہیں کہ وہ قوت و جبروت کا مالک ہے۔زندگی کے اسی نقطۂ نظر کے باعث اسلامی تاریخ میں آزادی اور خودداری کی روایات کو ہمیشہ قدر و منزلت کی نظر سے دیکھا گیا۔''(۱۱)

اقبال غلاموں کا لہو سوزِ یقیں سے گرماتے اور کُنجشکِ فرومایہ کو شاہیں سے لڑانے کی تدبیر کرتے ہیں۔وہ نقشِ کہن کو مٹانے کے خواہاں اور اپنے نَفَس کی موج سے نشو و نمائے آرزو کے متمنی ہیں۔خونِ دل وجگر ان کی نوا کی پرورش کرتے ہیں اور انھیں خودی کے ساز میں عمرِ جاوداں کا سراغ ملتا ہے۔وہ ناامیدی کو زوالِ علم وعرفاں قرار دیتے ہیں اور امید کو مردِ مومن کا ہتھیار۔۔۔

تری آگ اس خاک داں سے نہیں
جہاں تجھ سے ہے تُو جہاں سے نہیں
بڑھے جا یہ کوہِ گراں توڑ کر
طلسمِ زماں و مکاں توڑ کر
خودی شیرِ مولا ! جہاں اس کا صید
زمیں اس کی صید' آسماں اس کا صید
جہاں اور بھی ہیں ابھی بے نمود
کہ خالی نہیں ہے ضمیرِ وجود(۱۲)

اقبال طلوعِ فردا کے منتظر ہیں اور انھیں ہوائیں اور فضائیں بندۂ مومن کے لیے مسخر ہوتی نظر آتی ہیں۔وہ عالمِ پیر کے منکر اور جہانِ نَو کے ایسے علم بردار ہیں جنھیں تند و تیز ہواؤں میں بھی مسلمانوں کے چراغ جلتے نظر آرہے ہیں۔مسلمان۔۔۔۔جس کے تصرف میں گنبدِ افلاک' کوہ' صحرا' سمندر' ہوائیں' فضائیں سب کچھ ہیں۔انھیں مسلماں کے شرر میں خورشیدِ جہاں تاب کی ضَو اور اس کے ہنر

سے تازہ جہاں آباد ہونے کا یقیں ہے۔ وہ اسے پیرِ صنم خانۂ اسرار، محنت کش و کم آزار اور جنسِ محبت کا خریدار قرار دیتے ہیں:

سمجھے گا زمانہ تری آنکھوں کے اشارے
دیکھیں گے تجھے دُور سے گردُوں کے ستارے
ناپید ترے بحرِ تخیل کے کنارے
پہنچیں گے فلک تک تری آہوں کے شرارے
تعمیرِ خودی کر، اثرِ آہِ رسا دیکھ(۱۳)

خودی کا سرِّ نہاں لا الٰہ الا اللہ، خودی ہے تیغ فساں لا الٰہ الا اللہ، بہار ہو کہ خزاں لا الٰہ الا اللہ، مجھے ہے حکمِ اذاں لا الٰہ الا اللہ کا نغمہ خواں اپنے براہیم کی تلاش میں ہے۔ وہ فولاد کی شمشیرِ جگردار کو توحید کے اسرار کا مصرعِ اوّل کہتے ہیں اور انھیں اس بیت کے مصرعِ ثانی کی فکر ہے جسے وہ فقر کی تلوار سے تشبیہ دیتے ہیں:

قبضے میں یہ تلوار بھی آجائے تو مومن
یا خالدؓ جانباز ہے یا حیدرؓ کرّار(۱۴)

اقبال کی دعا مسلم امہ کے لیے ان کی دردمندی اور تڑپ کا منہ بولتا ثبوت ہے:

یارب! دلِ مسلم کو وہ زندہ تمنا دے
جو قلب کو گرما دے، جو روح کو تڑپا دے
پھر وادیِ فاراں کے ہر ذرّے کو چمکا دے
پھر شوقِ تماشا دے پھر ذوقِ تقاضا دے
محرومِ تماشا کو پھر دیدۂ بینا دے
دیکھا ہے جو کچھ مَیں نے اوروں کو بھی دکھلا دے(۱۵)

اقبال نے ہمیشہ مسلمانوں کے جداگانہ انتخابات کے حق کی حمایت کی۔ ملتِ اسلامیہ اور مسلمانوں سے ہمدردی کے سبب اللہ نے انھیں وہ دیدۂ بینا عطا کی جس کی مدد سے انھوں نے برصغیر کے مسلمانوں کو اپنے جداگانہ تشخص کی پہچان عطا کی۔ بلاشبہ وہ قیامِ پاکستان کے اہم ترین محرک تھے جنھوں نے جمود کا شکار قوم میں تحرک، خوداعتمادی، خود شناسی اور مقصد کے حصول کے لیے عملی جدوجہد کے اوصاف پیدا کرنے میں اہم ترین کردار ادا کیا۔ اگر وہ نہ ہوتے تو شاید آج برصغیر کے مسلمانوں کے لیے ایک آزاد مسلم ریاست میں سانس لینا محض ایک خواب ہوتا۔ انھوں نے اجتماعی سطح پر برصغیر کے مسلمانوں میں وہ سیاسی، اخلاقی اور مذہبی شعور اور جرأت بیدار کی جو بالآخر قیامِ پاکستان کی صورت میں ثمر آور ثابت ہوئی۔

حوالہ جات

۱۔ محمد جہانگیر عالم، خطباتِ اقبال (ترجمہ وحواشی)، فیصل آباد: دائرہ معارفِ اقبال، ص:۸۴

۲۔ اقبال، کلیاتِ اقبال، لاہور: اقبال اکادمی، ۱۹۹۵ء، ص:۵۱

۳۔ ایضاً، ص:۴۷

۴۔ ایضاً، ص:۱۸۶

۵۔ فرمان فتح پوری، اقبال سب کے لیے، کراچی: اردو اکیڈمی سندھ، ۲۰۰۰ء، ص:۱۲۸

۶۔ اقبال، کلیاتِ اقبال، ص:۲۸۸

۷۔ جاوید اقبال، ڈاکٹر، افکارِ اقبال، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۵ء، ص:۱۱۱

۸۔ اقبال، کلیاتِ اقبال، ص:۳۰۱

۹۔ ایضاً، ص:۳۶۸

۱۰۔ ایضاً، ص:۳۸۶

۱۱۔ یوسف حسین خان، ڈاکٹر، روحِ اقبال، لاہور: القمر انٹرپرائزز، ۱۹۹۶ء، ص:۲۸۱

۱۲۔ اقبال، کلیاتِ اقبال، ص:۴۵۷

۱۳۔ ایضاً، ص:۴۶۱

۱۴۔ ایضاً، ص:۵۳۹

۱۵۔ ایضاً، ص:۲۴۱

☆......☆......☆